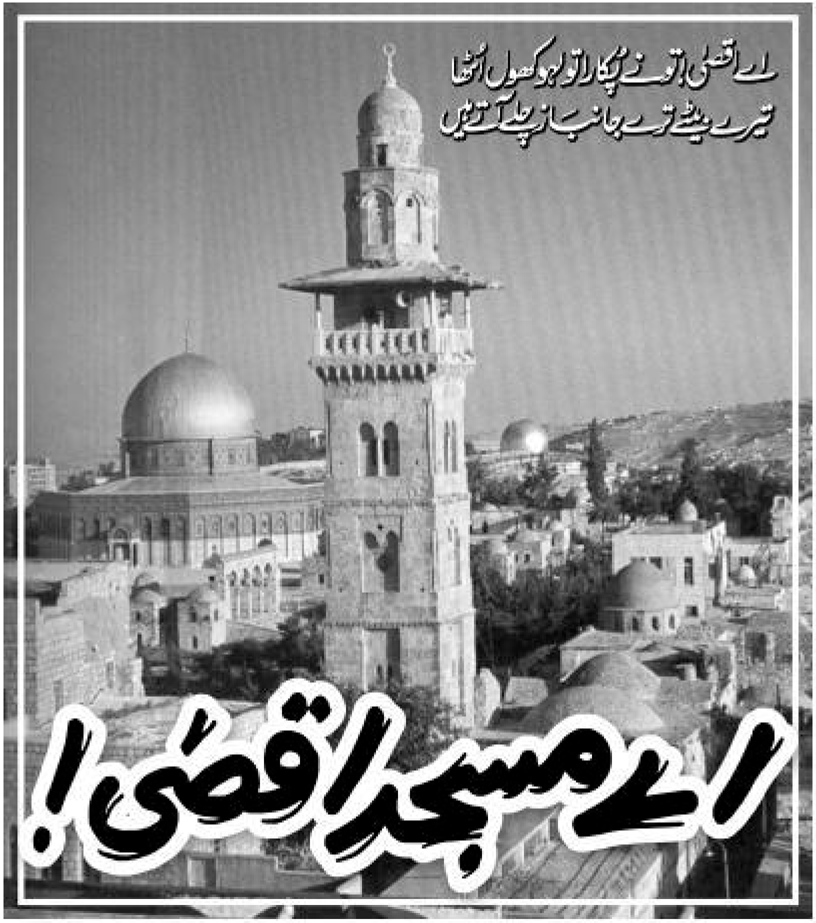


# اے مسجد اقصیٰ!

**حمیرا عائشہ**

اے مسجد اقصیٰ! میں اعتراف کرتی ہوں تو نے تاریخ انسانی کا سب سے تاریک دور دیکھا ہے۔ دنیا میں ظالم اور مظلوم کی داستان بہت پرانی ہے۔ انسانیت کے خرمن پر کئی بجلیاں گری ہیں۔ باغ آدم میں کئی آندھیاں آئی ہیں۔ وحشت اور سربریت نے بارہا انسانیت کا منہ نوچا ہے لیکن آگ اور خون کا کھیل جو تو نے آج دیکھا وہ کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ میں جانتی ہوں تو ہم سے خفا ہے۔ تیری شکستہ سانس میرے دل کو تڑپاتی ہیں۔ تیری سسکتی آہیں میرے جگر کے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ میں بھی تیرے ساتھ تڑپ رہی ہوں۔ میں بھی تو ایک ایک پل کانٹوں پر بسر کر رہی ہوں۔ تیرے غم میں بھلا میں کیسے خوش ہو سکتی ہوں۔ تو مجھ سے بھی خفا ہے کہ میں تیرا غم بانٹنے کیوں نہ آئی۔ تجھے گلے لگا کر تسلی دینے کیوں نہ آئی۔ تیرا درد مٹانے کیوں نہ آئی۔ میں کیسے آؤں۔ میں تیری محفل میں کلیوں کی مسکراہٹ اور توحید کے ترانے لے کر آئی تھی لیکن تیرے سامنے خون کی ندیاں راکھ کے ڈھیر اور لاشوں کے انبار تھے۔ میں تیرے قدموں میں ستاروں کی مسکراہٹیں قوس قزح کے رنگ اور روئے زمین کی تمام دلفریبیاں اور رعنائیاں نچھاور کرنا چاہتی تھی لیکن تیرے سامنے تو لٹی ہوئی عصمتیں تھیں اور تیرے محافظ پتا نہیں کہاں کھو گئے تھے کہ وہ متاع بھی مجھ سے چھین لی گئی۔ میں خالی ہاتھ لوٹ آئی۔ آہ! اب میں تیرے درد کا درمان کیسے کروں؟ میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں تجھ سے آنکھ نہ ملا پاؤں گی۔ اب میں کیسے تیرے پاس آؤں گی کہ اب میرے دامن میں وہ چنگاریاں ہیں جو تیرے معصوم بچوں کو جلا چکی ہیں۔ اب ان قباؤں کے ٹکڑے لے کر آؤں گی۔ جو تیری بیٹیوں کی عصمت کے خون سے داغدار ہیں۔ اب میرے پاس توحید کے وہ دلکش نغمے ہیں بلکہ وہ جگر دوز چیخیں لاؤں گی جو فضاؤں میں گونج رہی ہیں۔ میں تیرے ساتھ آگ میں کھیل چکی ہوں۔ خون میں نہا چکی ہوں۔ میرا ماضی اور میرا حال تیرے ماضی اور حال سے وابستہ ہے۔ میرا مستقبل تیرے مستقبل سے جدا نہیں۔ تیرے لیے میرا پیغام اس ادیب اور شاعر کے پیغام جیسا نہیں جو اپنی محفل کی تاریکیوں سے گھبرا کر منہ پھیر لیتا ہے اور غیروں کے عشرت خانوں میں سکون تلاش کرتا ہے۔ نہیں نہیں! میں تیرے ساتھ گری ہوں۔ تیرے ساتھ ہی اٹھوں گی۔ میں تلخ حقائق پر تصورات کے پردے نہیں ڈالوں گی۔ وہ زمین جس پر ہم نے صدیوں سے اپنی سطوت اور اقبال کے پرچم لہراتے تھے۔ اب وہ ہماری بے گور و کفن لاشیں دیکھ رہی ہیں۔ وہ آسمان جس نے صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس پر اسلام کا پرچم لہراتے دیکھا ہماری ذلت و رسوائی اور بے بسی کا تماشا دیکھ رہا ہے لیکن یہ سب کچھ بلاوجہ نہیں۔ یہ اتفاقی حادثہ نہیں۔ یہ قانون قدرت ہے۔ اقوام کے عروج و زوال کی داستانیں معین ہیں۔ عزت اور سربلندی ان کے لیے ہے۔ جو فلاح اور ترقی کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں اور جو پستی کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ بالآخر ذلت کے گڑھوں میں گر جاتے ہیں۔ میری دوست تیری بڑھتی ہوئی سسکیاں میری ہمت توڑ رہی ہیں۔ میں کہیں حوصلہ ہار نہ بیٹھوں۔ تو میری وفا پر یقین کر لے۔ میں نے روشنی کی کرن دیکھ لی ہے۔ میں نے کانٹوں پر رستہ تلاش کر لیا ہے۔ اب میں نے تیرے درد کا درماں ڈھونڈ لیا ہے۔ اب میں اس غاصب قوم سے تیری مسکراہٹیں چھین لاؤں گی۔ میں نے 14 سو سولہ زندگی میں یہ راستہ پا لیا ہے۔ حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے ہمارے اسلاف نے جو قربانیاں دیں تو وہ رائیگاں نہیں گئیں۔ وہ مخالفتوں سے خائف ہوئے نہ عداوتوں سے ڈرے۔ تختہ سے خوف کھایا نہ تخت سے۔ موسم کی گھنگھور گھٹائیں مایوسیوں کے سیاہ بادلوں سے نہ گھبرائے۔ وہ خدا پر ہی یقین کر کے میدان عمل میں اترے۔ ہاں ہاں! اب مجھے یقین ہے اب میں اپنی قوم کو یہ راہ دکھلاؤں گی۔

افکار و توہمات کے ہجوم سے مایوس لوگو! تمہاری ہر بیماری کی شفا، ہر دکھ کی دوا، ہر مشکل کا حل، ہر کرب کے زخم کا علاج، ہر مردہ فکر کی آسودگی کا حل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، خلفائے راشدین اور اہل بیت کی تعلیمات ان کی زبان سے نکلی ہوئی قرآن و حدیث کی تشریحات ہیں۔ ہاں! اب میں تیرے پاس ضرور آؤں گی اور اپنے ساتھ کروڑوں توحید کے نغمے لاؤں گی۔ ہاں! میرا یقین کرو! ابھی راکھ میں چنگاریاں دبی ہیں۔ یہ ضرور بھڑکیں گی۔ میں اس مردہ جسم میں زندگی کی رمق دیکھ رہی ہوں۔ کہیں سے روح کے تار جڑ چکے ہیں۔ میں میٹھے اور سہانے موسم دیکھ رہی ہوں جو تیرے لیے بہار لانے والے ہیں۔ میں ان آندھیوں میں دور کہیں روشنی کی کرن دیکھ رہی ہوں۔ ان تاریکیوں میں کئی چراغ جل اٹھے ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے ضرور ان کے اندر کوئی صلاح الدین ایوبی ہے۔ مجھے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ تیرے آنسو پونچھنے آ رہا ہے۔ میں توحید کی صدائیں سن رہی ہوں۔ جو تیری طرف بڑھ رہی ہیں۔ تجھے اپنے دامن میں چھپانے کے لیے بے قرار ہیں۔ مجھے یاد رکھنا میں تیری مسکراہٹیں، تیرے انگ انگ سے پھوٹتے خوشی کے نغمے سننے ضرور آؤں گی۔ میری بات پر یقین رکھنا۔